التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

از
(سعید احمد)

جامع المجددین | از جناب مولانا عبدالباری ندوی تقطیع متوسط ضخامت ۔۵۶ صفحات کتابت طباعت بہتر اور دیدہ زیب ۔ قیمت مجلد پانچ روپیہ پتہ :- مہتمم صاحب مکتبہ تجدید دین ۔ شبستان قدم رسول ہارڈنگ روڈ لکھنؤ ۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عہد ایک ایسا عہد تھا جس میں ایک طرف مسلمان جہالت کے باعث مشرکانہ عقائد و رسوم میں مبتلا تھے اور دوسری جانب غلط مذہبی جوش نے ان میں طرح طرح کے بدعات و محرماتِ شرعیہ کو رائج کر دیا تھا پھر اسی زمانہ میں انگریزی تعلیم اور مغربی علوم و فنون کا زور ہوا تو مسلمان نوجوانوں میں تفلسف اور مذہب سے بیزاری پیدا ہونے لگی مولانا مرحوم نے تحریر و تقریر اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ ان چیزوں کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی اور کوئی شبہ نہیں کہ اس سلسلہ میں نصف صدی سے بھی زیادہ تک آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ موجودہ صدی کی دینی خدمات و مذہبی اصلاح کا ایک نہایت شاندار ریکارڈ ہیں جن کا فائدہ ہر طبقہ اور ہر گروہ کے مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور جوانوں، غیر تعلیم یافتہ اور تعلیم یافتہ ہر ایک کو پہنچا مولانا اپنے عہد کے اکابر علماء میں سے تھے اور قدرت نے آپ کو ذہانت و فطانت، نکتہ سنجی، حاضر جوابی اور نفسیات شناسی کے غیر معمولی جوہر کمال سے ... بنا پر ضخیم تصنیفات و تالیفات کے علاوہ آپ کی روزمرہ کی باتیں اور عام گفتگو بھی موعظت و ... باتوں سے خالی نہیں ہوتی تھی اور جو مضامین و حقائق طویل تحریروں اور تقریروں میں ادا کئے جا سکتے ہیں وہ آپ برجستہ مگر مختصر فقروں اور جملوں میں ادا کر دیتے تھے حضرت مولانا کی تحریری یادگاروں کی تعداد غالباً

پانسو سے کم نہ ہوگی لیکن چونکہ مولانا کا انداز تحریر پرانے طرز کا ہے اور پھر وہ مضامین منتشر اور پراگندہ بھی ہیں اس لئے کوئی شخص ان سے مکمل استفادہ اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ آپ کی تمام کتابوں کو از اول تا آخر نہ پڑھے اس بنا پر مولانا مرحوم کے ایک تلمیذ روحانی و معنوی نے جو خود بڑے عالم اور صاحب ورع و تقویٰ ہیں ایک وسیع پروگرام بنا کر مولانا کے ارشادات و فرمودات کو چند مستقل عنوانات کے ماتحت اپنی شستہ و رفتہ زبان میں مدون و مرتب کرنے کا تہیہ کیا اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب تک موصوف اس سلسلہ میں تین کتابیں شائع کر چکے ہیں ان میں سے پہلی کتاب "تجدید تصوف و سلوک" پر جو در حقیقت اس سلسلہ کی کتاب نمبر ۲ مگر اشاعت میں مقدم تھی۔ انھیں صفحات میں عرصہ ہوا کہ تبصرہ ہو چکا ہے آج ہم قارئین کا اسی سلسلہ کی کتاب نمبر ایک مگر اشاعت میں موخر سے تعارف کراتے ہیں۔

یہ کتاب کسی خاص موضوع پر نہیں ہے۔ بلکہ اس میں فاضل مرتب نے حضرت مولانا کی تعلیمات و ارشادات اور فیوض علمیہ عملیہ کو مختلف عنوانات کے ماتحت یکجا طور پر دکھلانے اور انھیں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ اس میں مسلمانوں کی مختلف گمراہیاں جن کا تعلق فکر و نظر اور عقیدہ سے ہے یا عبادات و معاشرت و معاملات سے یا سلوک و تصوف سے ہے یا اخلاق و کردار سے اور پھر ان چیزوں کے متعلق مولانا کے جو ارشادات و فرمودات ہیں ان سب کو عمدہ اور موثر و دلچسپ ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جس کا مطالعہ بلاشبہ سرمہ بصیرت دینی اور مذہب سے واقفیت حاصل کرنے اور دینی احکام کی عظمت و اہمیت سے باخبر ہونے کے لئے بہت مفید ہوگا۔ اس لحاظ سے فاضل مرتب کی یہ کوشش ہر طرح لائق تحسین اور سزاوار آفریں ہے لیکن ہم اپنی تبصرہ نگاری کا فرض سمجھتے ہیں کہ اس کتاب کی مذکورہ بالا خوبیوں کے ساتھ ان چند چیزوں کی طرف بھی اشارہ کر دیں جو پھولوں کے اس دستہ میں کانٹوں کی طرح کھٹکتی ہیں۔ فاضل مرتب کی سعادتمندی طبع اور سلامت روی مزاج سے توقع ہے کہ انھوں نے جس جذبۂ خدمت دین کے زیر اثر اس اہم اور عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا ہے اس کے پیش نظر وہ ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ ان معروضات پر غور فرمائیں گے کہ ہمارا مقصد صرف اصلاح ہے۔ کسی بلند پایہ شخصیت پر نکتہ چینی اور حرف گیری نہیں۔

---

(۱) جناب مولانا عبدالباری صاحب نے از اول تا آخر اس کتاب میں بڑے زور اور قوت کے ساتھ یہ

ثابت کرنا چاہا ہے کہ مولانا تھانوی اس صدی کے مجدد نہیں بلکہ جامع المجددین تھے ہمارے نزدیک اول تو جامع المجددین کی اصطلاح ہی اسلام میں ایک نئی اصطلاح ہے جس کو بدعتِ حسنہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بالواسطہ معنوی اعتبار سے اس لفظ کا مصداق ایک پیغمبر ہی ہو سکتا ہے۔ پھر کسی شخصیت کے متعلق اس کے مجدد ہونے کی بحث چھیڑنا اور اپنی تمام گفتگو کو اسی ایک نقطہ پر مرکوز کر دینا اس شخصیت کے ساتھ غایت عشق و گرویدگی کی دلیل تو ہو سکتا ہے لیکن اس کا ثبوت ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کی تعلیمات کو پیش کرنے کا مقصد افادۂ خلق اور اصلاح ناس ہے فاضل مرتب نے چونکہ اپنے ثبوت میں بہت کچھ دلائل و براہین پیش کئے ہیں اور ان کو اس دعوی پر اس قدر اصرار ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے مقدمہ میں یہ لکھ دیا تھا کہ مجدد ایک ہی نہیں بلکہ ایک وقت میں کئی ایک بھی ہو سکتے ہیں تو مولانا عبدالباری اسے بھی برداشت نہ کر سکے اور حاشیہ میں نوٹ لکھ کر اس کی تردید فرما دی اس بنا پر ہم نے چاہا تھا کہ اس کتاب پر ایک مقالہ کی صورت میں کئی قسطوں میں مفصل تبصرہ کیا جائے اور سچ یہ ہے کہ تبصرہ میں اس قدر تاخیر کی وجہ بھی یہی ہے اور پہلی قسط لکھی بھی گئی تھی۔ لیکن پھر خیال آیا کہ اس طرح کی غیر ضروری اور غیر مفید بحثوں میں پڑنا نہ علم کی خدمت ہے اور نہ دین کی۔ اس بنا پر وہ قسط چاک کر دی گئی اور ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن فاضل مولف کی خدمت میں یہ گذارش ضرور کرنی ہے کہ آپ کو اس سے کیا بحث کہ مولانا مجدد تھے یا نہیں؟ آپ تو مولانا کی تعلیمات قرآن و احادیث کی روشنی میں پیش کیجئے، آپ کا مقصد افادہ و اصلاح خلق ہے اور بس اور وہ خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ آخر ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری تو نہیں ہے کہ وہ مولانا تھانوی کو مجدد بھی مانے۔"

(۲) ایک مسلمان کے لئے نہایت مکمل اور جامع زندگی اور اسوۂ حسنہ سوائے آنحضرت صلعم کے کسی اور کی زندگی ہرگز نہیں ہو سکتی اس لئے معیار اور کسوٹی کے طور پر جب کبھی کسی کی ضرورت ہو صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سراپا قدس و طہارت زندگی کو پیش کرنا چاہئے۔ افسوس ہے کہ مولانا عبدالباری سے غالباً یہ نکتہ فراموش ہو گیا ہے کہ انھوں نے جامع المجددین ثابت کرنے کے شوق میں مولانا تھانوی کی زندگی کو "اسوۂ حسنہ" کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ حالانکہ جب

ہم مولانا تھانوی کو اس معیار پر جانچتے ہیں تو اس میں خود فاضل مرتب کے بیانات کی روشنی میں متعدد مواقع پر بڑا خلا نظر آتا ہے اور یہ زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر منطبق نہیں ہوتی اب ذیل میں ہم اس کے چند ثبوت پیش کرتے ہیں۔

(الف) مولانا تھانوی فرماتے ہیں "غرض شریعت نے اس کا نہایت درجہ خاص طور پر اہتمام کیا ہے کہ کسی شخص کی کوئی حرکت دوسرے کے لئے ادنیٰ درجہ میں بھی کسی قسم کی تکلیف و اذیت یا ثقل و گرانی ..... یا توحش و خلجان کا سبب نہ ہو" (ص ۴۹۹) اب اس ارشاد کے ساتھ اس واقعہ کو ملاحظہ فرمائیے کہ "ایک صاحب نے مدرسہ کے لئے غالباً دو سو روپیہ بھیجے قبول فرمالیا پھر دوسرے سال جب بھیجا تو لکھا کہ معمول کے موافق روپیہ بھیجتا ہوں لیکن اگر سال گذشتہ کی طرح اس مرتبہ بھی رسید نہ آئی تو آئندہ بند کردوں گا منی آرڈر وصول نہیں فرمایا اور تحریر فرمایا کہ تم آئندہ سال بند کرو گے ہم امسال ہی بند کرتے ہیں" (ص۵۲) اب ذرا سوچئے مولانا کا رسید نہ دینے پر اصرار کرنا اور رسید کے مطالبہ پر خفا ہو کر سرے سے روپیہ ہی لوٹا دینا کہاں تک اسوۂ رسول پر پورا اترتا ہے، "مولانا بہت بڑے بااصول انسان تھے" پھر معلوم نہیں اس بے اصولے پن کو کیوں گوارا کرتے تھے کہ مدرسہ کے لئے چندہ بھی بغیر رسید کے لیتے تھے پھر روپیہ دینے والے کا جائز حق ہے کہ وہ روپیہ کی رسید مانگے لیکن مولانا نہ حدیث (صاحب الحق ید) کا لحاظ فرماتے ہیں اور نہ ارشاد نبوی اتقوا مواضع التہم کی رعایت کرتے ہیں اور غصہ میں سرے سے روپیہ ہی واپس کردیتے ہیں جس سے مدرسہ کا نقصان ہوتا ہے؟ مولانا کی امانت و دیانت میں کلام نہیں لیکن اس کے باوجود مطالبۂ رسید پر جب مولانا کو ناگواری ہوئی تھی تو انھیں یہ نہیں بھولنا چاہئے تھا کہ اس قسم کے موقع پر فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارکہ یہ تھا کہ ایک اعرابی نے بڑے زور سے آپ کی چادر پکڑ کر کھینچی جس سے آپ کی گردن مبارک سرخ ہوگئی اور صحابہ نے اس گستاخی پر اعرابی کو سزا دینی چاہی تو آنحضرتؐ نے صاف منع فرمادیا اور ارشاد ہوا کہ میں اس کا مقروض ہوں تم کو اگر میرے ساتھ ہمدردی ہے تو میری طرف سے قرض ادا کردو۔" یہ صاحب حق ہے اور اس کو اپنے حق کے مطالبہ کا پورا اختیار ہے" اسی طرح مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ایک شخص نے آنحضرتؐ پر اعتراض کیا

تو آپ کو ذرا ناگواری نہیں ہوئی اور نہایت ملاطفت کے ساتھ معترض کی تشفی کر دی۔

مولانا تھانوی دوسروں پر نکتہ چینی کرنے میں کبھی دریغ نہیں کرتے تھے لیکن مذکورۂ بالا اور دوسرے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے متعلق کسی دوسرے کی نکتہ چینی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ چیز اصول پرستی کے بھی خلاف ہے اور اسوۂ پیغمبر کے بھی!! مسند امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وسق کھجوروں کے بدلہ میں کچھ گوشت خریدا۔ لیکن گھر آ کر دیکھا تو کھجوریں موجود نہ تھیں۔ آپ نے قصاب سے فرمایا کہ جن کھجوروں پر میں نے معاملہ کیا تھا وہ نہیں ہیں۔ قصاب تنک مزاج تھا یہ سن کر شور مچانے لگا کہ ہائے بددیانتی! صحابہ نے جو موجود تھے کہا "کیا رسول اللہ بددیانتی کریں گے؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو صحابہ سے فرمایا "چھوڑ دو اسے کہنے کا حق ہے۔ کئی مرتبہ اسی طرح کہنے سننے کے بعد آخر آپ نے قصاب کو ایک خاتون کے پاس بھیج دیا جہاں سے اس کو گوشت کی قیمت مل گئی۔

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شمائل یہ تھے کہ کوئی بات خلاف طبع بھی ہوتی تو اسے برداشت کرتے تھے اور جس شخص سے ایسی حرکت صادر ہوتی تھی اس کے منہ پر اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے لیکن اس کے برخلاف حضرت جامع المجددین کا عمل یہ ہے کہ قیام حیدر آباد کے زمانہ میں کسی نواز جنگ نے مولانا کو لکھا کہ "برائے زیارت حاضر ہونا چاہتا ہوں اور فلاں فلاں وقت اپنے فرائضِ منصبی سے فرصت ملتی ہے" اس پر مولانا ان کو لکھتے ہیں "افسوس کی کوئی حد نہیں رہی کہ اس میں فہم سے کام نہیں لیا گیا جس کے ملنے کو زیارت سے تعبیر کیا گیا اس کو تو اپنے اوقاتِ فرصت بتا کر پابند کیا گیا اور خود آزاد رہے یہ کون سی فہم و تہذیب کی بات ہے" (ص ۵۵) اس واقعہ کو پڑھ کر ہر شخص محسوس... تھانوی خواہ مخواہ غریب نواز جنگ پر برس رہے اور ان کو فہم و تہذیب سے عاری بتا رہے ہیں ...نگ کی تحریر کا مطلب صاف صاف یہی ہے کہ میں نے اپنے اوقاتِ فرصت آپ ...ہیں اب آپ خود بھی اپنے اوقات دیکھ لیجئے اور پھر جو وقت مناسب ہو وہ بتا دیجئے تاکہ اسی وقت حاضر ہوں کس قدر عجیب بات ہے کہ مولانا تھانوی نواز جنگ کو فہم سے عاری قرار دے رہے ہیں

ہیں حالانکہ مولانا کی اس طرح کی نکتہ چینی اس بات کی دلیل ہے کہ مولانا خود "کرزیت بینی" میں مبتلا تھے جو اخلاقیات میں ایک مذموم ملکہ ہے۔

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلقِ مبارک یہ تھا کہ آپ نے کبھی کسی غلام باندی کو یا کسی اور شخص کو نہ کوئی دل آزار بات کہی اور نہ کسی کو مارا۔ لیکن مولانا تھانوی مارتے بھی تھے۔ اور منہ پر ایسی بات بھی کہہ دیا کرتے تھے جس سے سننے والے کی غیرت مجروح ہو اور اس کو صدمہ پہنچے۔ چنانچہ ایک صاحب جو رات کے کسی حصہ میں بلا اذن سابق آکر دیوان خانہ میں مقیم ہوگئے تھے مولانا نے صبح ان کو دیکھا تو ان سے باقاعدہ بازپرس کی کہ بلا اجازت کیوں دیوان خانہ میں داخل ہوئے۔ پھر مولانا کو اپنی بات کی پچ یہاں تک تھی کہ ان صاحب نے لَا تَدْخُلُوا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ الآیہ کے متعلق کہا کہ یہ آیت خاص زنانخانہ کے لئے ہے تو مولانا نے اس کی تخصیص کی دلیل کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ کم از کم دیوانخانہ "بیت" کے مفہوم میں داخل نہیں ہے اسی طرح مولانا کے گھر سے ایک مہمان کے لئے کھانا آیا تو اس غریب نے اپنے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کر لیا۔ بس پھر کیا تھا مولانا نے اس بے چارہ سے بازپرس کی حد کردی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب باتیں اخلاقی تعلیم و تربیت کی راہ سے تھیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر معلم اخلاق ہو سکتا ہے؟ اور اگر ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ تعلیم و تربیتِ اخلاقی کے لئے اپنے مزاج اور افتادِ طبع کے مطابق جو راہ چاہے اختیار کرے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر شعبۂ زندگی میں "اسوۂ حسنہ" ہونے کے کیا معنیٰ باقی رہ جاتے ہیں۔

(د) فاضل مؤلف کا دعویٰ ہے کہ مولانا کسی ادنیٰ سی ادنیٰ بات میں بھی مداہنتِ شرعی کو گوارا نہیں کرتے تھے اور اس معاملہ میں آپ کا ورع و تقویٰ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہما سے بھی بڑھا ہوا تھا چنانچہ اس کے ثبوت میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ قصبہ رام پور میں ختنوں کی ایک تقریب تھی جس میں مولانا تھانوی اور مذکورہ بالا دونوں حضرات بھی شریک تھے لیکن جب معلوم ہوا کہ تقریب میں بڑے تفاخر کا سامان کیا گیا ہے تو مولانا تھانوی خفیہ طور پر چلے آئے اور یہ دونوں حضرات شریک رہے بعد میں جب اس واقعہ پر چہ میگوئیاں ہوئیں کہ ختنہ

رسوم اگر جائز تھے تو مولانا تھانوی کیوں اٹھ کر چلے آتے! اور اگر ناجائز تھے تو حضرت شیخ الہند اور مولانا گنگوہی کیوں بیٹھے رہے، تو مولانا تھانوی خود مولانا سہارنپوری کی زبانی اس کی توجیہہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ (مولانا تھانوی) تقوی پر عمل کرتے ہیں۔ اور ہم (مولانا سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند) فتوی پر (ص ۱۰۴ و ۱۰۵)

اس کے بعد فاضل مؤلف ص ۱۶۰ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "اچھے اچھے اہل علم اور بزرگوں کو دیکھا کہ جہاں تک امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تعلق ہے غیروں کا کیا ذکر ہے۔ بھائی برادری اعزہ و اقربا بلکہ اہل و عیال تک کو روک ٹوک نہیں کرتے نہ تغیر بالید سے کام لیتے ہیں کہ جن پر کچھ دباؤ ہو تو دباؤ ڈالیں، نہ زبان سے ہی کہتے ہیں حتی کہ قلب میں بھی گرانی کا اثر محسوس نہیں ہوتا جو ایمان کا آخری درجہ ہے اور جس کا لازمی نتیجہ کم از کم یہ ہونا چاہئے کہ شرکت و تعاون سے باز رہیں"

اب سوال یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانوی کے برادر خورد محمد مظہر صاحب محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی میں عمر بھر انگریزی کی نوکری کرتے رہے اور قطع نظر اس کے کہ اپنے فرائض منصبی کی "دیانت دارانہ" انجام دہی میں انھوں نے کیسے کیسے گل کھلائے ہیں اسلامی اعمال و افعال کے اعتبار سے خود ان کی زندگی کیسی تھی؟ اس کو واقف کار حضرات خوب اچھی طرح جانتے ہیں تو کیا مولانا تھانوی نے کبھی اپنے برادر خورد کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا۔ اور اگر کیا تو اس کا کیا اثر ہوا اور اگر کوئی اثر نہیں ہوا تو مولانا نے اپنی ناگواری کس طرح پر ظاہر فرمائی۔ فاضل مؤلف نے جہاں مولانا کے جزئی سے جزئی اور خانگی سے خانگی واقعات کو بے تکلف بہ طور اسوہ نقل کر دیا ہے اگر وہ اس پر بھی کچھ روشنی ڈال دیتے تو مسئلہ کی زیادہ وضاحت ہو جاتی

(باقی آئندہ)